Fikr-o-Nasar (Islamabad) 7:9 (1970)

قسط نمبر ۲

فرائضی تحریک

توسیع و ترقی کا دور

ڈاکٹر معین الدین ——— ترجمہ: ثروت صولت

فرائضی کی اصطلاح لفظ فرائض سے ماخوذ ہے جو فریضہ کی جمع ہے۔ اس لحاظ سے فرائضی وہ لوگ ہوئے جن کا مقصد اُن باتوں پر عمل کرنا ہے جو اسلامی اصطلاح میں فرائض کہلاتی ہیں۔ لیکن حاجی شریعت اللہ کی تحریک کے شارحوں نے اس اصطلاح کی جو تشریح کی ہے اس کے تحت وہ تمام مذہبی اعمال بھی آ جاتے ہیں جن کا اللہ و رسولؐ نے حکم دیا ہے، خواہ وہ فرائض میں سے ہوں یا مؤکدات میں سے ہوں۔ انھوں نے سب سے زیادہ زور اسلام کے ارکانِ خمسہ پر دیا: (۱) کلمہ پڑھنا۔ (۲) دن میں پانچ وقت کی نماز پڑھنا۔ (۳) ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔ (۴) زکوٰۃ ادا کرنا اور (۵) حج کرنا ——

ارکانِ اسلام پر زور دینے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ان ابتدائی فرائض کی طرف متوجہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ مختلف مقامی رسم و رواج اور تہوار تو جوش و خروش سے مناتے تھے لیکن اسلام کی بنیادی تعلیمات کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے تھے۔ [۱]

حاجی شریعت اللہ ۱۷۸۱ء میں مداری پور سب ڈویژن کے ایک گاؤں شمائیل میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت مداری پور ضلع باقر گنج میں شامل تھا۔ لیکن ۱۸۷۳ء میں ضلع فرید پور میں ملا دیا گیا۔ ۱۷۹۹ء میں وہ حج کرنے مکہ معظمہ گئے۔ جہاں سے وہ بیس سال کے بعد بنگال واپس آئے۔ مکہ میں انھوں نے شیخ طاہر سنبل سے جو فقہ حنفی کے عالم تھے مذہبی علوم کی تحصیل کی۔ مکہ سے واپسی کے فوراً بعد انھوں نے ۱۸۱۸ء میں فرائضی تحریک شروع کی۔ کچھ عرصہ بعد وہ پھر حج کرنے چلے گئے۔ ان کے اس سفر کا خاص مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اپنی اصلاحات کے بارے میں اپنے اُستاد سے مشورہ کر سکیں۔ ۱۸۲۰ء میں ان کی واپسی پر تحریک نے زور پکڑ لیا اور کچھ مدت بعد فرائضی تحریک پورے مشرقی بنگال میں پھیل گئی۔ ۱۸۴۰ء میں حاجی شریعت اللہ کا انتقال ہو گیا۔ اب تحریک کی قیادت ان کے اکلوتے بیٹے اور جانشین محسن الدین

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

فرد، درود و میاں کے ہاتھ میں آگئی ۔ ۲؎

حاجی شریعت اللہ حنفی ہونے کے دعویدار تھے لیکن اس دور کے دوسرے مسلمان مجددین اور مصلحین کی طرح (جیسے موحدین یا عرب کے وہابی تھے) انھوں نے توحید خالص پر زور دیا اور توحید سے ہر قسم کے انحراف کو شرک اور بدعت قرار دیا۔ چنانچہ انھوں نے پیدائش، شادی اور موت سے متعلق رسوم (مثلاً چھٹی، پٹی، چِلّا، شبِ گشت کا جلوس، فاتحہ اور عرس وغیرہ) سے لوگوں کو منع کیا۔ علاوہ ازیں انھوں نے پیر پرستی اور محرم میں تعزیئے بنانے کو بھی شرک قرار دیا۔ انھوں نے اسلامی اخوت، عدل و انصاف اور مساوات پر زور دیا اور ذات پات کی بنا پر ہر قسم کے امتیازات کی مخالفت کی ۔ ۳؎

حاجی شریعت اللہ بنگال میں برطانوی حکومت کو مسلمانوں کی مذہبی زندگی کے لئے نقصان دہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے فقہ حنفی کے قدیم نظریہ کے مطابق جس کی ھدایہ جیسی مستند کتاب میں وضاحت کی گئی ہے یہ فتوٰی دیا تھا کہ بنگال میں چونکہ مسلمان حاکم نہیں ہے اس لئے مسلمان جمعہ اور عید کی نمازیں ادا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ انھوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کرنے کی جرأت نہیں کی لیکن انھوں نے جمعہ اور عیدین کی نمازوں کی ادائیگی از سرِ نو مسلم حکومت قائم ہو جانے تک ملتوی کر دی۔ نمازوں کی یہ موقوفی فرائضی تحریک کی ایک امتیازی خصوصیت ہے اور اس لحاظ سے فرائضی تحریک کو احیائے اسلام کی دوسری تحریکوں میں ایک انفرادی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ فرائضی تحریک کے پیروؤں نے جمعہ اور عیدین کی نمازیں اس وقت پڑھنا شروع کیں جب ۱۹۴۷ء میں آزادی مل گئی ۔ ۴؎

جیمز وائز نے لکھا ہے کہ حاجی شریعت اللہ پہلے مبلغ ہیں جنھوں نے مشرقی بنگال کے دلدلی علاقوں میں ان توہمات اور خرابیوں کے خلاف آواز اُٹھائی جو مشرک ہندوؤں کے ساتھ طویل میل جول کی وجہ سے مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھیں۔ بے حس اور غافل بنگالی کسان میں جوشِ عمل پیدا کرنے کے لئے ایک مخلص اور ہمدرد مبلغ کی ضرورت تھی اور کسی اور رہنما نے عوام کی ہمدردیاں اتنی شدت سے حاصل نہیں کیں جتنی حاجی شریعت اللہ نے حاصل کیں۔ اس کو یقین تھا کہ لوگ حاجی شریعت اللہ کی بے داغ مثالی زندگی کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور وہ ان کی ایک ایسے باپ کی حیثیت سے عزت کرتے تھے جو ناسازگار حالات میں ان کو مشورہ دے سکتا ہے اور مصیبت پڑنے پر ان کے لئے تسلی کا باعث ہو سکتا ہے ۔ ۵؎ لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ فرائضی تحریک نے اپنے بانی کی زندگی ہی میں دُور دُور تک ہر دلعزیزی

حاصل کر لی تھی۔

حاجی شریعت اللہ کے معاصر جیمز ٹیلر نے لکھا ہے کہ "فرائضی تحریک غیر معمولی تیزی سے پھیلی اور انھوں نے بہت جلد ڈھاکہ، فرید پور، باقر گنج اور میمن سنگھ کے اضلاع کے باشندوں کی ½ تعداد کو تحریک میں شامل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی[۵] تحریک کے ابتدائی دور میں ضلع ٹپرا (کومیلا) میں بھی ایک بڑی تعداد اس تحریک میں شامل ہو گئی اور انیسویں صدی کے نصف آخر میں اس کا دائرہ اثر چٹاگانگ اور نواکھالی کے اضلاع بلکہ آسام تک پھیل گیا[۶] حاجی شریعت اللہ نے اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑنے، معاشرہ کو برائیوں سے بچانے کا جو نعرہ بلند کیا اور انھوں نے مسلمانوں کے اتحاد، اخوت اور مساوات پر بار بار جو زور دیا اس پر ان کے ہم مذہبوں نے بے ساختہ لبیک کہا اور مفلس اور اشتعال پذیر بنگالی کسانوں نے جواب تک بغیر کسی رہنما کے تھے ان کو خدا کی طرف سے بھیجا ہوا نجات دہندہ سمجھا۔ لیکن فرائضی تحریک نے سب سے زیادہ زور ان علاقوں میں پکڑا جہاں ہندو زمینداروں کا نیا طبقہ اور نیل کے یوروپی کاشت کار سب سے زیادہ قوی اور جابر بنے ہوئے تھے اور جہاں مسلمان کسانوں کی تعداد ہندو کسانوں سے زیادہ تھی۔

بنگالی معاشرے کی قدامت پسندی اور انتشار انگیز سماجی اور معاشی حالات کی وجہ سے فرائضی تحریک کی ترقی میں مزاحمت بھی ہوئی۔ قدامت پسند مسلمانوں کے ایک حصے نے شروع ہی سے حاجی شریعت اللہ کی انتہا پسندی کی مخالفت کی تھی۔ اس کے بعد اُن کی قیادت میں مسلمان کسانوں کے روزافزوں اتحاد نے ہندو زمینداروں کو بھی خوفزدہ کر دیا۔ چنانچہ تیتومیر کی طرح اس مرتبہ بھی ہندو زمینداروں کو مداخلت کرنے کا موقع مل گیا جس سے فرائضیوں اور قدامت پسند مسلمانوں کے درمیان بعض مذہبی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر ڈھاکہ کے زمینداروں نے پولیس کی مدد سے حاجی شریعت اللہ کو ۱۸۳۱ء میں رام نگر یا نیا باڑی سے نکلوا دیا[۹] یہ وہ جگہ تھی جہاں اُنھوں نے اپنا مرکز قائم کیا تھا۔ بنگالی مسلمانوں کی قدامت پسندی سے بعد میں مولوی کرامت علی جونپوری نے بھی فائدہ اُٹھایا۔ مختصر یہ کہ ہندو زمینداروں اور نیل کے یوروپی کاشت کاروں سے مسلسل تصادم کی بدولت تحریک نے سماجی اور معاشی انداز اختیار کر لیا اور تحریک کا یہ پہلو دودو میاں اور ان کے جانشینوں کے زمانے میں زیادہ نمایاں اور واضح ہو گیا۔

ہم عصر یوروپی مصنف عام طور پر اس خیال سے متفق ہیں کہ نیا باڑی کے واقعہ کے بعد حاجی شریعت اللہ بہت محتاط ہو گئے اور اُنھوں نے مذہبی مصلح کے علاوہ کسی اور حیثیت سے پھر کوئی کام نہیں کیا[۱۱] یہ مصنف

ایک خاص مقصد کے تحت ان پر الزام لگاتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے پیروؤں کو اُکسایا اور ان سے کہا کہ وہ اپنے ہندو زمینداروں کو لگان نہ دیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُنھوں نے وہ جائز لگان جو حکومت کی طرف سے مقرر کیا گیا تھا، ادا کرنے پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ہندو زمینداروں نے انیسویں صدی میں مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر کئی ایسے غیر قانونی ٹیکس کسانوں کے سر منڈھ دیئے تھے جو حکومت کے منظور کردہ نہیں تھے۔ فرید پور کے مجسٹریٹ نے ۱۸۷۲ء میں جب تحقیق کرائی تو پتہ چلا کہ یہ زمیندار کسانوں سے تئیس (۲۳) ناجائز ٹیکس وصول کرتے تھے۔ ان میں کالی پوجا، درگا پوجا کے بت پرستانہ ٹیکس بھی شامل تھے۔ حاجی شریعت اللہ نے ان ٹیکسوں پر اعتراض کیا۔ بالخصوص ان ٹیکسوں پر جو ہندوؤں کے مذہبی کاموں کے لئے وصول کئے جاتے تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے پیروؤں کو ھدایت کر دی کہ وہ یہ ناجائز ٹیکس زمینداروں کو نہ دیں۔ اس کے علاوہ ہندو زمینداروں نے عیدالاضحی کے موقع پر گائے ذبح کرنے پر بھی پابندی عائد کر رکھی تھی۔ بنگال میں چونکہ گائے ہمیشہ سے ذبح ہوتی چلی آئی تھی اور اس طرح بنگالی مسلمانوں کو لذیذ گوشت سستے داموں مل جاتا تھا۔ اس لئے حاجی شریعت اللہ اس پابندی کو بھی غیر معقول سمجھتے تھے۔

ہندو زمینداروں نے حاجی شریعت اللہ کی اس پالیسی پر بڑے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا اور اُن کو اور ان کے پیروؤں کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ آخر میں اُنھوں نے کلکتہ کے اخباروں میں ان کے خلاف پروپیگنڈہ کی مہم شروع کر دی اور انگریز حاکموں سے نجی ملاقاتوں میں ان کی شکایتیں کرنے لگے اور فرائضیوں پر باغی ہونے کا الزام لگایا۔ ۱۸۳۷ء میں اُنھوں نے حاجی شریعت اللہ پر یہ الزام بھی عائد کر دیا کہ وہ تیتومیر کی طرح اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے فرائضیوں کے خلاف متعدد مقدمے بھی دائر کئے جن میں نیل کے یورپی کاشت کاروں نے ان زمینداروں کی پوری پوری مدد کی۔ لیکن یہ الزامات چونکہ جھوٹے تھے اس لئے عدالت کے سامنے اُن کو ثابت نہیں کیا جا سکا۔ بہر حال جیمس ٹیلر کی روایت ہے کہ ۱۸۳۹ء میں پولیس نے فرید پور میں دنگا فساد کرنے کے الزام میں حاجی شریعت اللہ کو کئی مرتبہ گرفتار کیا۔[۱۳]

۱۸۴۰ء میں حاجی شریعت اللہ کا اپنے گاؤں شامئیل میں بعمر ۵۹ سال انتقال ہو گیا۔ [illegible]
[illegible] ہوا تھا اور سخت آتی تھی۔ وہ سر پر بہت بڑی پگڑی باندھتے تھے جو ان کی [illegible]

بڑی موزوں معلوم ہوتی تھی۔ وہ مضبوط اور دلآویز کردار کے مالک تھے۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ ان کا چہرہ حسین و بارعب تھا۔ جو اُن کی قوتِ ایمان اور نرمیٔ قلب کا آئینہ دار تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ بڑے تجربہ کار و دُور اندیش تھے اور اپنے مخالفوں کی سازشوں سے بچنا بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریک کسی نہ کسی شکل میں آج تک چلی آرہی ہے۔

حاجی شریعت اللہ کی وفات کے بعد ان کے واحد صاحبزادے محسن الدین احمد عرف دودو میاں نے فرائضی تحریک کی قیادت سنبھالی۔ ان کی عمر بہت کم تھی لیکن اس کم عمری ہی میں اُنھوں نے فرائضی تحریک میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد نے اُنھیں ۱۸۳۱ء میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے مکہ معظمہ بھیج دیا۔ لیکن اپنے بڑھاپے کے پیشِ نظر حاجی صاحب نے پانچ سال بعد بیٹے کو واپس بُلا لیا۔ [۱۵]

یہی زمانہ تھا جب کسانوں پر ہندو زمینداروں کے مظالم اپنی انتہا پر تھے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ پُرانے زمینداروں کو ہٹا کر بندوبست دوامی کے تحت زمینداروں کا جو نیا طبقہ پیدا کیا گیا تھا، ایک انگریز افسر نے اُسے "ایک ایسے قابلِ نفرت" انقلاب سے تعبیر کیا تھا جس کی بدولت پُرانے زمینداروں کے سرپرستانہ طرزِ عمل کی جگہ مہم بازوں اور سٹہ بازوں کے تجارتی مفاد نے لے لی تھی۔[۱۶] چنانچہ بنگال پولیس کے سربراہ نے اسی سال اپنی ایک رپورٹ میں کہا تھا کہ فرید پور کے ان زمینداروں کو کسی چیز کی پرواہ نہیں بس وہ یہ جانتے ہیں کہ اپنے کرایہ داروں سے ہر طریقہ سے دولت اینٹھی جائے۔[۱۷] تیس سال بعد نوین چندر سین نے مداری پور کے ان ہندو زمینداروں کے متعلق یہ وضاحت بھی کی کہ دولت اینٹھنے کی اس کوشش میں وہ اپنے ہندو اور مسلمان کرایہ داروں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔[۱۸] اپنے کرایہ داروں کو قابو میں رکھنے کے لئے اُنھوں نے کرائے کے غنڈوں اور لٹھ بازوں کو کثیر تعداد میں ملازم رکھ چھوڑا تھا اور ان کی مدد سے وہ کسانوں کو پریشان کیا کرتے تھے۔ حاجی شریعت اللہ کی زندگی کے آخری حصے میں ہندو زمینداروں اور فرائضی کسانوں کے درمیان روز افزوں کش مکش کی وجہ سے فرائضیوں نے بھی لٹھ باز رضاکاروں کی ایک جماعت تیار کر لی تھی۔ مکہ سے واپسی پر اس تنظیم کی نگرانی دودو میاں کے سپرد کی گئی۔ لہذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ۱۸۳۸ء میں پولیس نے کئی گھروں کو لوٹنے کے الزام میں انھیں ملوث کرنا چاہا لیکن وہ اپنے اس الزام کو عدالت میں ثابت کرنے میں ناکام رہی۔ [۱۹]

قائد کی حیثیت سے دودو میاں کا انتخاب فرائضی تحریک کا ایک نیا موڑ ثابت ہوا۔ ان کا وہ جذبہ اور جوش وخروش جسے ابھی تک ان کے محتاط باپ نے روک رکھا تھا اب خودنمائی کے لئے بیتاب تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ زمینداروں کے مظالم کی وجہ سے فرائضی کسانوں کی حالت انتہائی خراب ہوچکی ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کے والد کی مقاومت بے مزاحمت پالیسی کی وجہ سے زمیندار اور زیادہ مغرور و سرکش ہو گئے ہیں۔ اب چونکہ دودو میاں فیصلہ کرنے میں آزاد تھے اس لئے اُنھوں نے ان زمینداروں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔

بندوبست دوامی کے تحت زمینداروں کو جاگیردارانہ حقوق حاصل ہو گئے تھے اور کسانوں کی حیثیت تقریباً غلاموں جیسی ہوگئی تھی۔ زمینداروں کا یہ نیا طبقہ برطانوی حکومت کا پیدا کردہ تھا جس سے ان میں حرص اور مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اصلاح اراضی کے اس نئے تجربے نے بنگال کے دیہی علاقوں میں نیم انارکی کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ دیہات میں حکومت کا نظم و نسق ان زمینداروں کے مقابلہ میں نہ صرف یہ کہ کم موثر تھا بلکہ یہ زمیندار توڑ جوڑ کر کے سرکاری حکام کی حمایت بھی حاصل کر لیتے تھے۔ اس مطلق العنان حکومت کی راہ میں اگر کوئی چیز حائل تھی تو وہ صرف کلکتہ کی نظامتِ عدالت تھی۔ لیکن یہ عدالت غریب کسانوں کی رسائی سے باہر تھی۔ لہذا دودو میاں کے پاس ان زمینداروں کو معقول روّیہ اختیار کرانے کا صرف ایک طریقہ تھا اور وہ تھا طاقت کا استعمال۔

دودو میاں نے اپنے کام کا آغاز دو زمینداروں کے خلاف کارروائی سے کیا۔ ان میں ایک کنائی پور کا سکدار تھا اور دوسرا فرید پور کا گھوش۔ ان دونوں نے فرائضی تحریک کو روکنے کے لئے اتحاد کر لیا تھا اور فرائضی تحریک سے وابستہ لوگوں پر ان کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تھے۔

۱۸۴۱ء میں دودو میاں چند سو لاٹھی برداروں کو لے کر کنائی پور روانہ ہو گئے اور زمیندار کے محل کی ایک ایک اینٹ اُکھاڑ کر لے جانے کی دھمکی دی۔ سکدار بُری طرح ڈر گیا اور اس نے وعدہ کیا کہ آئندہ فرائضی تحریک سے وابستہ کسانوں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی جائے گی[۲۱]۔ دوسرے سال وہ آٹھ سو افراد کے ساتھ فرید پور کے گھوش کے پاس پہنچ گئے اور جے نرائن گھوش کے مکان کو لوٹ لیا اور اس کے بھائی مدن نرائن گھوش کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اور اس کو قتل کر کے دریائے پدما میں ڈال دیا۔ اس مرتبہ ۱۱۷ فرائضی گرفتار کر لئے گئے۔ ان میں ۱۰۶ پر سیشن جج کی عدالت میں مقدمہ چلا اور بائیس[۲۲]

افراد کو سات سال کی قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ملزموں میں دودو میاں کا نام بھی تھا لیکن ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے سیشن جج نے ان کو رہا کر دیا۔[۲۲]

مدن گھوش کے قتل میں ماخوذ ہونے کی وجہ سے بقول ایچ، بیورج دودو میاں اخلاقی اقدار سے عاری تھے۔ لیکن بنگال پولیس کے سربراہ مسٹر ڈیمپیر نے اس معاملے کی ذاتی طور پر تحقیقات کی تھی، وہ لکھتے ہیں کہ ان زمینداروں نے فرائضیوں، ان کے مذہب اور ان کی عورتوں کی بے عزتی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ انھوں نے اس پر تعجب کیا ہے کہ ان حالات میں ایک زیادہ سنگین نوعیت کی عام بغاوت کیوں نہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ انہوں نے مجسٹریٹ کو خبردار کیا کہ وہ صرف فرائضی کسانوں کی ہی سخت نگرانی نہ کرے بلکہ ہندو زمینداروں پر بھی کڑی نظر رکھے۔[۲۳] جیمز وائز نے اس کی تصدیق کی ہے کہ ہندو زمیندار نہ صرف کسانوں کو فرائضی تحریک میں شامل ہونے سے روکتے تھے بلکہ جو لوگ ان کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے ان کو سزا دیتے اور ایذائیں پہنچاتے تھے۔ لوگوں کی ڈاڑھیوں کو ملا کر باندھ دیا جاتا تھا اور پسی ہوئی مرچ ان کو سونگھائی جاتی تھی۔[۲۴] فرائضیوں کا کہنا یہ ہے کہ مدن گھوش کو اس لئے قتل کیا گیا کہ زمیندار اس واقعہ سے سبق حاصل کریں اور اچھی طرح سمجھ لیں کہ وہ انتقام سے بچ نہیں سکتے۔ بہرحال دودو میاں کی ان بے باکانہ کارروائیوں کا متوقع نتیجہ برآمد ہوا۔ زمیندار خوف زدہ ہو گئے اور اب وہ فرائضیوں کے معاملات میں دخل دینے کے لئے براہ راست تشدد سے پرہیز کرتے تھے۔

دودو میاں کی ان ابتدائی کامیابیوں سے لوگوں کی نظریں دودو میاں کی طرف اُٹھنے لگیں اور تباہ حال کسانوں میں ان کی عزت اور وقار بڑھ گیا اور وہ نجات دہندہ کی حیثیت سے دیکھے جانے لگے۔ جلد ہی ان کی شہرت دُور دُور پھیل گئی۔ چنانچہ جیمز وائز نے لکھا ہے کہ فرید پور، پبنہ، باقر گنج، ڈھاکہ اور نواکھالی کے اضلاع میں گھر گھر ان کا نام پہنچ گیا۔[۲۵] ان واقعات کی وجہ سے فرائضی تحریک کو توسیع واشاعت میں مزید مدد ملی اور ان کی وجہ سے نہ صرف وہ مسلمان تحریک میں شامل ہو گئے جو اب تک اس سے الگ تھے بلکہ ہندوؤں اور مقامی عیسائیوں میں بھی اس کے حامی پیدا ہو گئے اور انھوں نے زمینداروں کے خلاف دودو میاں کا تحفظ کیا۔ ۱۸۴۳ء میں بنگال پولیس کے اندازے کے مطابق دودو میاں کے پیرؤوں کی تعداد اسی ہزار تک پہنچ گئی تھی۔[۲۶]

جب زمینداروں نے دیکھا کہ وہ براہ راست مداخلت سے فرائضی تحریک کی توسیع کو نہیں روک سکتے تو انہوں نے دودو میاں کے خلاف انگریز حکام اور نیل کے کاشت کاروں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنا شروع کر دیئے۔

ان کے اُکسانے پر نیل کا ایک بڑا کاشت کار اینڈریو ڈنلپ دودو میاں کا سخت دشمن ہوگیا۔ اس نے کئی مرتبہ انھیں گرفتار کرانے اور غیر قانونی حرکتوں کے الزام میں ان پر مقدمہ چلانے کی کوشش کی[۲۷]۔ انگریز آقا کی ان کارروائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے گماشتہ کالی پرشاد کنجی لال نے جنگ کا راستہ اختیار کر لیا۔ یہ شخص مارواڑی برہمن تھا اور پنچ چار میں ڈنلپ کی نیل کی فیکٹری کا منیجر تھا۔ اس شخص نے اپنے انگریز آقا کے تحفظ میں صرف فرائضی کسانوں پر سختیاں ہی نہیں کیں بلکہ دودو میاں کے خلاف ہندو زمینداروں کی حمایت کرنی شروع کردی۔ اکتوبر ۱۸۴۶ء میں اس نے سات سو یا آٹھ سو آدمیوں کو جن میں پنچ چار کے ہندو بابو بھی تھے بہادر پور میں دودو میاں کے مکان پر حملہ کر دیا اور دودو میاں کے بیان کے مطابق "اُنھوں نے سامنے کا دروازہ توڑ دیا اور چار چوکیداروں کو قتل اور کئی آدمیوں کو زخمی کر دیا اور ڈیڑھ لاکھ روپے نقد اور سامان کی شکل میں لوٹ لے گئے۔ جب دودو میاں نے اس واقعہ کی اطلاع پولیس میں کی تو ہندو پولیس افسر مرتیون جوے گھوش نے اُلٹا زخمیوں کو مجسٹریٹ کے پاس اس غرض سے بھجوا دیا کہ ان پر غیر قانونی اجتماع اور دنگہ فساد کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے۔ اس نے دودو میاں کو مصالحت کر لینے کا مشورہ دیا۔ لیکن جب اُنھوں نے مزید تحقیق کے لئے اصرار کیا تو انگریز مجسٹریٹ ۱/۲ ۲ ماہ گزرنے کے بعد خود جائے حادثہ کی طرف روانہ ہوگیا لیکن ڈھاکہ سے براہ راست بہادر پور جانے کی بجائے وہ مع خدم و حشم پہلے پاراگرام گیا اور جنگلی بھینسوں کے شکار میں مصروف ہوگیا۔ اس دوران میں اس نے دودو میاں کو اپنے ساتھ رکھا۔[۲۸]

دودو میاں جب جائز اور قانونی طریقوں سے انصاف حاصل نہیں کر سکے تو اُنھوں نے ڈنلپ کے گماشتہ کے خلاف وہی کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا جو وہ اُن کے خلاف کر چکا تھا۔ اس وقت جب کہ وہ شکار میں انگریز مجسٹریٹ کے ساتھ تھے، فرائضیوں کی ایک جماعت چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں نرائن گنج سے پنچ چار کی طرف روانہ ہوئی اور اس نے ۵ دسمبر ۱۸۴۶ء کو پنچ چار پہنچ کر صبح ہونے سے پہلے مسٹر ڈنلپ کی فیکٹری کو جلا کر خاک کر دیا۔ اُنھوں نے کالی پرشاد کانجی لال کو بھی پکڑ لیا اور قریب کے گاؤں میں ہندو بابوؤں کے مکانوں کو جلا کر وہ اسی تیزی سے غائب ہوگئے جس تیزی سے آئے تھے۔[۲۹]

اڈورڈ ڈی لاتو (EDWARD DE LATOW) کی روایت کے مطابق جب یہ خبر پاراگرام پہنچی تو اس وقت مجسٹریٹ خیمہ کے اندر مسٹر ڈنلپ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے اپنے ہی آدمیوں کے بیانات پر دودو میاں کو عدالت میں پیش کر دیا۔ عدالت نے دودو میاں اور ان کے چالیس ساتھیوں کو مجرم قرار دیا

اور ان کو مختلف میعاد کی سزاؤں کا حکم سُنا دیا۔ لیکن سیشن کورٹ چونکہ اس قسم کی بڑی سزاؤں کو دینے کی مجاز نہیں تھی اس لئے پورا مقدمہ توثیق کے لئے کلکتہ کی صدر نظامت عدالت کے سپرد کر دیا گیا۔ کلکتہ کی اس عدالت نے استغاثہ کے بیان کے ایک حصے کو قطعی ناقابل یقین اور ایک حصہ کو ناقابلِ اعتبار اور غیر فیصلہ کن قرار دیا۔ چنانچہ تمام ملزموں کو رہا کر دیا گیا۔[۳۰]

استغاثہ کی اس شکست سے مسٹر ڈنلپ اور ہندو بابوؤں کو سخت صدمہ پہنچا۔ دودو میاں کے پیرؤں نے اس کو مظلوم کسانوں کی زبردست فتح سمجھا۔ کانجی لال کے خاتمہ سے فرائضیوں کے راستہ سے آخری کھٹکا بھی دُور ہو گیا اور اب وہ زمینداروں اور نیل کے تاجروں کی زیادتیوں سے بے خوف و خطر ہو کر اپنا سر اونچا کر کے چل سکتے تھے۔ اس کے بعد دودو میاں نے ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۷ء تک کا زمانہ بظاہر امن و سکون کی فضا میں گزارا۔

۱۸۵۷ء کی عظیم بغاوت پھوٹ پڑنے پر دودو میاں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کو کلکتہ لے جا کر علی پور جیل میں قید کر دیا گیا۔ جب ۱۸۵۹ء میں خطرہ دُور ہو گیا تو ان کو کلکتہ سے رہا کر دیا گیا لیکن جیسے ہی وہ اپنے گھر آئے ان کو فرید پور کی پولیس نے گرفتار کر لیا۔ ۱۸۶۰ء کے موسم گرما میں ان کو آخری بار رہا کیا گیا۔ اس کے بعد وہ ڈھاکہ چلے گئے اور اپنی وفات تک وہیں رہے۔

ان کا انتقال ۲۴ ستمبر ۱۸۶۲ء کو ہوا۔ انھیں ان کی ڈھاکہ کی رہائش گاہ کے پچھلے احاطہ میں دفن کیا گیا۔[۳۱]

مختصر یہ کہ اپنے پیش رو تیتومیر کی طرح دودو میاں بھی زمینداروں اور نیل کے کاشت کاروں کے من مانے مفادات کے خلاف صف آرا رہے تھے اور اس کی وجہ سے وہ ایسے حالات میں گھر گئے تھے جو نہ صرف ان کے جان و مال کے لئے خطرہ بن گئے تھے بلکہ ان کی اصلاحی تحریک کے لئے بھی خطرہ بن گئے تھے۔ اگر وہ ایسے حالات کے باوجود تیتومیر جیسے حشر سے بچ گئے تو اس کی وجہ ان کی غیر معمولی ذہانت تھی جس سے کام لے کر اُنھوں نے حالات کا ہوشیاری سے مقابلہ کیا۔

دودو میاں کی وفات پر ان کا سب سے بڑا لڑکا جو ابھی کمسن تھا اُن کا جانشین ہوا۔ لیکن وہ بھی جلد ہی مر گیا اور اس کی جگہ دودو میاں کے منجھلے صاحب زادے عبدالغفور ۱۸۶۴ء میں بارہ سال کی عمر میں جانشین ہوئے۔ ان کا عرف نیا میاں تھا۔ دودو میاں نے اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے سرپرستوں کی ایک مجلس مقرر کر دی تھی۔ اس مجلس کے ارکان نے زوال پذیر تحریک کو بڑی مشکل سے ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچایا لیکن

فرائضی تحریک نے نیا میاں کے بالغ ہونے پر اپنی سابقہ طاقت کسی حد تک بحال کر لی۔

بدقسمتی سے ہمیں اس حیرت انگیز انسان کے بارے میں بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ نوین چندر سین جب مداری پور میں سب ڈویژنل افسر تھے تو انھوں نے ان سے متعلق دو قابلِ ذکر واقعات لکھے ہیں جو اس زمانے میں پیش آئے یعنی (۱) ہندو زمینداروں اور فرائضی کسانوں کے درمیان کئی بار تصادم کا تذکرہ اور (۲) فرائضیوں اور تایونیوں کے درمیان دینی مناظرہ و مباحثہ۔ یہ واقعات ۱۸۷۹ء کے ہیں اور دونوں موقعوں پر ہمیں نیا میاں جوش و خروش کے ساتھ فرائضیوں کی قیادت کرتے نظر آتے ہیں۔ نوین سین نے لکھا ہے کہ اس وقت کسانوں میں جن کی اکثریت فرائضیوں پر مشتمل تھی ان کی حیثیت ایک رہنما کی حیثیت سے مُسلّم ہو چکی تھی۔ سین نے یہاں تک لکھا ہے کہ نیا میاں کے پیرو اپنے رہنما کے احکام کی خدائی احکام کی طرح تعمیل کرتے تھے اور نیا میاں برطانوی دورِ حکومت کے ہوتے ہوئے اپنی ایک حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ نوین سین نے ان کے ساتھ باہمی امداد کا معاہدہ کرنا قرینِ مصلحت سمجھا اور وہ اپنے اس معاہدہ کو اپنی کامیاب افسری کا راز قرار دیتے تھے[۳۲]۔ نوین سین کی اس نیک نیتی کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرائضی رہنماؤں میں حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا اور اس تعاون کو فریقین نے بڑی احتیاط سے ایک طویل عرصہ تک قائم رکھا۔

۱۸۸۴ء میں نیا میاں کی وفات پر فرائضیوں نے دودو میاں کے تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے سعید الدین احمد کو رہنما بنایا۔ سعید الدین نے اسلامی علوم کا وسیع مطالعہ کیا تھا اور وہ علماء کی صحبت میں بیٹھنا اور ان سے باتیں کرنا پسند کرتے تھے۔ اُن کے زمانے میں فرائضیوں اور تایونیوں کی کش مکش عروج پر پہنچ گئی اور ان کے درمیان مباحثے اور مناظرے مشرقی بنگال میں عام ہو گئے تھے۔ سعید الدین نے ڈھاکہ کے پُرامن ماحول میں نشو و نما پائی تھی اور اُنھوں نے اپنے بڑے بھائی کی وفات تک اپنا وقت اور اپنی صلاحیت حصولِ علم میں صرف کر دی تھی۔ لیکن ان میں اپنے اسلاف کی ذہانت اور ہوشیاری نہیں تھی۔ تاہم ان کی اس کمی کی تلافی ان کی اس محبت اور فیاضانہ برتاؤ سے ہو جاتی تھی جس کا مظاہرہ وہ عوام الناس سے کرتے تھے۔ اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اُنھوں نے تمام لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔

۱۹۰۵ء میں تقسیمِ بنگال کے سوال پر اُنھوں نے تقسیم کی حمایت کی اور نواب سلیم اللہ کا ساتھ دیا۔ لیکن وہ فوراً بعد ۱۹۰۶ء میں وفات پا گئے۔[۳۳]

خان بہادر سعید الدین کے بعد ان کے بڑے صاحب زادے ابا خالد رشید الدین احمد عرف بادشاہ میاں اُن کے جانشین ہوئے۔ اُن کو فرائضیوں نے ۱۹۰۶ء میں اپنا سربراہ منتخب کیا۔ شروع شروع میں بادشاہ میاں برطانیہ کے ساتھ تعاون کی پالیسی پر قائم رہے۔ لیکن اُن کے والد خان بہادر سعید الدین نے وفات سے کچھ پہلے تقسیم بنگال کے مطالبہ کی حمایت کر کے تجدد پسند مسلمانوں کے ساتھ بھی تعاون شروع کر دیا تھا۔

اس پالیسی کی وجہ سے فرائضی رہنماؤں کا ہم عصر اسلامی سیاسی رجحان سے براہِ راست تعلق پیدا ہو گیا۔ ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کی منسوخی نے بادشاہ میاں کو مایوس کر دیا اور جب ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے ترکی کی خلافت کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو وہ برطانوی حکومت کے مخالف ہو گئے۔ ۱۹۲۲ء میں بادشاہ میاں نے خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں میں شرکت کی جس کی وجہ سے حکومت نے ان کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔[۳۴]

بادشاہ میاں طبعاً امن پسند اور بڑے خدا ترس تھے۔ سیاست سے ان کو زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ لیکن جب وہ حب الوطنی کے جوش میں سیاست کے میدان میں داخل ہو گئے تو اُنہوں نے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں خاصی دلچسپی لی اور تحریکِ پاکستان کی کھُل کر حمایت کی۔ ۱۹۴۷ء میں آزادی ملنے کے فوراً بعد اُنھوں نے نرائن گنج میں فرائضیوں کا ایک اجتماع کیا اور پاکستان کو دارالاسلام قرار دے کر فرائضیوں کو اجازت دی کہ اب وہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھا کریں۔ جو برطانوی دَور میں حاجی شریعت اللہ کے فتویٰ کی وجہ سے ادا نہیں کی جاتی تھیں۔ انھوں نے اپنے لڑکے دودو میاں کو اپنے ملک کی سیاسی زندگی میں حصہ لینے کی اجازت بھی دے دی۔ فرائضی تحریک کی ۵۴ سال تک مردانہ وار رہنمائی کرنے کے بعد بادشاہ میاں کا ۱۳ر دسمبر ۱۹۵۹ء میں انتقال ہو گیا۔ اُن کے بعد اُن کے صاحب زادے محسن الدین احمد عرف دودو میاں اُن کے جانشین ہوئے اور اِس وقت فرائضی تحریک کے سربراہ وہی ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ میری کتاب "فرائضی تحریک کی تاریخ" (انگریزی) کراچی ۱۹۶۵ء۔ حصہ دوم باب ششم ص ۶۰۔

۲۔ ایضاً۔ حصہ دوم، باب اوّل ص ۱۔

۳۔ ایضاً حصہ اوّل، باب دوم ص ۱۱×۷ تا ۱۷ اور حصہ دوم، باب ششم ص ۶۵ - ۸۸۔

۴۔ ایضاً حصہ دوم، باب ششم ص ۶۷۔ اور ضمیمہ اوّل ص ۱۴۷ - ۱۴۸۔

۵ - جیمز وائز کی کتاب NOTES ON THE RACES CASTES AND TRADES OF EASTER BANGAL, LONDON مطبوعہ ۱۸۸۴ء ص ۲۳۔

۶ - جیمز ٹیلر کی کتاب A SKETCH OF THE TOPAGRAPHY AND STATESHES OF DACCA مطبوعہ کلکتہ ۱۸۴۰ء ص ۲۴۸۔

۷ - میری کتاب "فرائضی تحریک کی تاریخ" (انگریزی) OP, CIT حصہ دوم باب نہم ص ۱۱۶۔

۸ - ملاحظہ کیجئے جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان ڈھاکہ کی جلد چہارم ۱۹۵۹ء میں ص ۱۱۳ - ۱۳۲ پر مضمون (THE STRUGGLE OF TITU MIR: A RE-EXAMINATION")

۹ - میری کتاب "فرائضی تحریک کی تاریخ" (انگریزی) حصہ دوم باب اوّل ص ۱۳ -

۱۰ - ایضاً - حصہ دوم، باب ہفتم ص ۸۹ -

۱۱ - ایضاً - ص ۲۰ - اور جیمز وائز کی کتاب NOTES ON RACES CASTES AND TRADES OF EASTER BANGAL, LONDON, 1884 - ص ۲۲

۱۲ - میری کتاب "فرائضی تحریک کی تاریخ" (انگریزی) حصہ دوم باب سوم، ص ۱۶ - ۱۹ اور ضمیمہ سی۔ ص ۱۲۷ - ۱۲۹ -

۱۳ - ایضاً ص ۱۷ - ۲۰ -

۱۴ - ایضاً ص ۲۲ اور میرا مضمون، حاجی شریعت اللہ کی قبر کا کتبہ (انگریزی) مطبوعہ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان، جلد سوم ۱۹۵۸ء ص ۱۸۷ - ۱۹۸ -

۱۵ - میری کتاب "فرائضی تحریک کی تاریخ (انگریزی) حصہ دوم باب چہارم ص ۲۴ -

۱۶ - کلکتہ ریویو۔ جلد اوّل ۱۹۴۴ء ص ۱۰۶ -

۱۷ - ایضاً ص ۲۱۵ - ۲۱۶ -

۱۸ - نوین چندر سین کی کتاب "امار جیون" کلکتہ پی - ایس ۱۳۱۷ جلد سوم ص ۱۴۲ - ۱۴۵ -

۱۹ - میری کتاب "فرائضی تحریک کی تاریخ" حصہ دوم باب ہشتم ص ۱۰۵ - ۱۰۶ -

۲۰ - سب سے نمایاں مثال تیتو میر کی ہے جس نے کلکتہ کی عدالتِ عالیہ سے انصاف حاصل کرنے کی

انتہائی کوشش کی (صفحہ ۱۴۲ - ۱۵۴) لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا - ملاحظہ کیجئے میرا مضمون:

"THE STRUGGLE OF TITU MIR A RE-EXAMINATION" مطبوعہ جرنل آف

دی ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان، ڈھاکہ جلد چہارم ۱۹۵۹ء ص ۱۱۳ - ۱۳۳ -

۲۱ - "فرائضی تحریک کی تاریخ" حصہ دوم، باب چہارم ص ۲۷ -

۲۲ - ایضاً -

۲۳ - ایضاً -

۲۴ - جیمز وائز: NOTES ON THE RACES CASTES AND TRADES OF

EASTER BANGAL LONDON مطبوعہ ۱۸۸۴ء

۲۵ - ایضاً - ص ۲۳ -

۲۶ - ڈبلو۔ڈبلو ہنٹر کی کتاب " ہمارے ہندوستانی مسلمان" (انگریزی) ص ۱۰۰ -

۲۷ - میری کتاب " فرائضی تحریک کی تاریخ" حصہ دوم باب چہارم ص ۳۴ -

۲۸ - ایضاً -

۲۹ - ایضاً ص ۳۶

۳۰ - ایضاً ص ۳۸

۳۱ - ایضاً ص ۴۲

۳۲ - ایضاً ص ۵۰ - ۵۶ اور نوین چندر سین کی کتاب "امار جیون" کلکتہ پی - ایس ۱۳۱۷ -

جلد سوم ص ۱۵۴ -

۳۳ - فرائضی تحریک کی تاریخ - ص ۵۶ - ۵۹ -

۳۴ - ایضاً ص ۵۷ -

۳۵ - ایضاً ضمیمہ اوّل ص ۱۴۷ - ۱۴۸ -